Version No.			
0	0	0	0
1	1	1	1
2	2	2	2
3	3	3	3
4	4	4	4
5	5	5	5
6	6	6	6
7	7	7	7
8	8	8	8
9	9	9	9

ROLL NUMBER						
0	0	0	0	0	0	0
1	1	1	1	1	1	1
2	2	2	2	2	2	2
3	3	3	3	3	3	3
4	4	4	4	4	4	4
5	5	5	5	5	5	5
6	6	6	6	6	6	6
7	7	7	7	7	7	7
8	8	8	8	8	8	8
9	9	9	9	9	9	9

FEDERAL BOARD OF INTERMEDIATE AND SECONDARY EDUCATION ISLAMABAD

Answer Sheet No.____________

Sign. of Candidate ___________

Sign. of Invigilator ___________

اردو(لازمی)برائے جماعت نہم

ماڈل سوالیہ پرچہ(کریکلم 2006ء)

حصہ اوّل(کل نمبر:15،وقت:20منٹ)

حصہ اول لازمی ہے۔اس کے جوابات اسی صفحہ پر دے کر ناظم مرکز کے حوالے کریں۔کاٹ کر دوبارہ لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔**لیڈ پنسل کا استعمال ممنوع ہے۔**

سوال نمبر1: ہر جزو کے سامنے دیے گئے درست دائرہ کو پر کریں۔

(1) اردو میں ہر جملے کے کتنے حصے ہوتے ہیں؟

(A) ایک ○ (B) دو ○

(C) تین ○ (D) چار ○

(2) ایسا جملہ جس میں مسند اور مسند الیہ، دونوں اسم ہوں، کیا کہلاتا ہے؟

(A) جملہ اسمیہ ○ (B) جملہ فعلیہ ○

(C) جملہ معترضہ ○ (D) استفہامیہ ○

(3) جملہ اسمیہ میں مسند الیہ کو کیا کہتے ہیں؟

(A) فاعل ○ (B) فعل ناقص ○

(C) مبتدا ○ (D) خبر ○

(4) جملہ فعلیہ کے مسند کو کیا کہتے ہیں؟

(A) فاعل ○ (B) فعل ○

(C) مفعول ○ (D) مبتدا ○

(5) تشبیہ کے کتنے ارکان ہوتے ہیں؟

(A) چار ○ (B) پانچ ○

(C) چھ ○ (D) سات ○

(6) تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ کو کیا کہیں گے؟

(A) قوسین تشبیہ ○ (B) وسطین تشبیہ ○

(C) طرفین تشبیہ ○ (D) واوین تشبیہ ○

(7) قواعد کی رو سے استعارا میں کس کا ذکر نہیں ہوتا؟

(A)	غرض تشبیہ	(B)	مستعار منہٗ
(C)	وجہ جامع	(D)	مستعار لہٗ

(8) مندرجہ ذیل میں سے کس کے لغوی معنی "ادھار لینا" کے ہیں؟

(A)	کنایہ	(B)	مجاز مرسل
(C)	استعارہ	(D)	تشبیہ

(9) "بچہ شیر کی طرح بہادر ہے" قواعد کی رو سے یہ جملہ کس کی مثال ہے؟

(A)	تشبیہ	(B)	روزمرہ
(C)	محاورہ	(D)	کنایہ

(10) کنایہ کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(A)	واضح بات کرنا	(B)	چھپی ہوئی بات کرنا
(C)	اشاروں میں بات کرنا	(D)	مذاق میں بات کرنا

(11) ہم آواز الفاظ کو کیا کہتے ہیں؟

(A)	ردیف	(B)	محاورہ
(C)	روزمرہ	(D)	قافیہ

(12) کس پیرائیہ بیان کے جملے میں ابہام اور حسن کے ساتھ ساتھ خیال اور جذبہ بھی ہوتا ہے؟

(A)	ادبی	(B)	صحافتی
(C)	قانونی	(D)	دفتری

(13) شکیل ناک پر نہیں بیٹھنے دیتا۔ جملے کو روزمرہ محاورہ کے اعتبار سے درست لفظ چن کر مکمل کریں۔

(A)	مچھر	(B)	مکھی
(C)	جراثیم	(D)	مٹی

(14) کُل کہہ کر جزو یا جزو کہہ کر کُل مراد لینا، قواعد میں کیا کہیں گے؟

(A)	کنایہ	(B)	مجاز مرسل
(C)	تشبیہ	(D)	استعارہ

(15) غیر مردف غزل ایسی غزل کو کہتے ہیں جس میں:

(A)	قافیہ نہ ہو	(B)	ردیف نہ ہو
(C)	مطلع نہ ہو	(D)	مقطع نہ ہو

جوابات:

(1)	(B)	(2)	(A)	(3)	(C)
(4)	(B)	(5)	(A)	(6)	(C)
(7)	(D)	(8)	(C)	(9)	(A)
(10)	(B)	(11)	(D)	(12)	(A)
(13)	(B)	(14)	(B)	(15)	(B)

فیڈرل بورڈ امتحان برائے جماعت نہم

اردو (لازمی) ماڈل سوالیہ پرچہ (کریکلم 2006)

وقت: 2:40 گھنٹے   کل نمبر: 60

نوٹ: حصہ دوم اور سوم میں دیے گئے سوالات کے جوابات علیحدہ سے مہیا کی گئی جوابی کاپی پر دیں۔ آپ کے جوابات صاف اور واضح ہونے چاہئیں۔

حصہ دوم (کل نمبر 34)

سوال نمبر 2: (الف) حصہ نثر:

درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیں اور نیچے دیے گئے سوالات میں سے آٹھ کے جوابات اپنے الفاظ میں لکھیں: (8 x 2 = 16)

بی۔اے پاس کرنے کے بعد چندر پرکاش کو ایک ٹیوشن کرنے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ اُس کی ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔ اِسی سال والد بھی چل بسے اور پرکاش زندگی کے جو شیریں خواب دیکھا کرتا تھا وہ مٹی میں مِل گئے۔ والد اعلیٰ عہدے پر تھے ان کی وجہ سے چندر پرکاش کو کوئی اچھی جگہ ملنے کی پوری امید تھی مگر وہ سب منصوبے دھرے ہی رہ گئے اور اب گزر اوقات کے لیے صرف تیس روپے ماہوار کی ٹیوشن ہی رہ گئی۔ والد نے کوئی جائیداد نہ چھوڑی، اُلٹا بہو کا بوجھ اور سر پر لاد دیا اور عورت بھی ملی تو تعلیم یافتہ، شوقین، زبان طرار۔ جسے موٹا کھانے اور موٹا پہننے کی نسبت مر جانا قبول تھا۔ چندر پرکاش کو تیس روپے کی نوکری کرتے شرم تو آتی تھی لیکن ٹھاکر صاحب نے رہنے کے لیے مکان دے کر ان کے آنسو پونچھ دیے۔ یہ مکان ٹھاکر صاحب کے مکان سے بالکل ملا ہوا تھا۔ پختہ، ہوادار، صاف ستھرا اور ضروری سامان سے آراستہ ایسا مکان بیس روپے ماہوار سے کم میں نہ مل سکتا تھا۔ کام صرف دو گھنٹے کا تھا۔ لڑکا تو لگ بھگ انہی کی عمر کا تھا مگر بڑا کند ذہن، کام چور، ابھی نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔

سوالات:

i. **اس عبارت کا مرکزی خیال لکھیں۔**

جواب: چندر پرکاش ایک تعلیم یافتہ بے سہارا نوجوان تھا۔ والدین کے انتقال کے بعد اس کے روشن مستقبل کے خواب پورے نہ ہو سکے جسے گزر اوقات کے لیے تیس روپے ماہوار پر نوکری کرنا پڑی۔

ii. **عبارت کو پڑھ کر پرکاش کے کردار کی نمایاں خوبی بتائیے۔**

جواب: چندر پرکاش ایک بی۔اے۔ پاس ایک ذمہ دار اور خود دار نوجوان تھا اس نے گزر بسر کے لیے ایک امیر آدمی کے بیٹے کے اتالیق کے طور پر کام کیا۔

iii. **چندر پرکاش کو تیس روپے ماہوار نوکری کرتے شرم کیوں آتی تھی؟**

جواب: چندر پرکاش کو تیس روپے ماہوار نوکری کرتے شرم اس لیے آتی تھی کہ وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تھا اور نوکری اور تنخواہ اس کی تعلیم اور صلاحیت کے حساب سے بہت کم تھی۔

iv. **پرکاش کو اچھی جگہ ملنے کی امید کیوں تھی؟**

جواب: چونکہ پرکاش ایک تعلیم یافتہ اور باصلاحیت نوجوان تھا اور اس کے والد اعلیٰ عہدے پر تھے۔ اس لیے ان کے توسط سے اسے اچھی نوکری ملنے کی امید تھی۔

v. **پرکاش کی زندگی کے شیریں خواب مٹی میں کیوں مِل گئے تھے؟**

جواب: پرکاش کی زندگی کے شیریں خواب مٹی میں اس لیے مل گئے کہ اس کے والدین کا انتقال ہو گیا اور گزر اوقات کے لیے کچھ باقی نہ تھا اسی لیے اسے فوری طور پر نوکری کرنا پڑی۔

vi. **ٹھاکر صاحب نے جو مکان پرکاش کو دیا اس کی خصوصیات کیا تھیں؟**

جواب: ٹھاکر صاحب نے جو مکان پرکاش کو دیا وہ پختہ، ہوادار، صاف ستھرا اور ضروری سامان سے آراستہ تھا۔

vii. **پرکاش کی بیوی کی کون سی خوبیاں بتائی گئی ہیں؟**

جواب: پرکاش کی بیوی تعلیم یافتہ، شوقین مزاج، زبان طراز جسے موٹا کھانے اور موٹا پہننے کی نسبت مر جانا قبول تھا۔

viii. **پرکاش جس لڑکے کو پڑھانے جاتا تھا وہ کس قسم کا تھا؟**

جواب: پرکاش جس لڑکے کو پڑھانے جاتا تھا وہ لگ بھگ اسی کی عمر کا تھا۔ مگر بڑا کُند ذہن، کام چور تھا اور ابھی نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔

ix. **عبارت کی روشنی میں بتایئے کہ مشکل وقت کا مقابلہ انسان کو کس طرح کرنا چاہیے؟**

جواب: اگر انسان کی زندگی میں مشکل وقت آجائے تو اسے اپنے خوابوں کو چھوڑ کر حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا چاہیے۔ بہادری اور خودداری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

(ب) **حصہ شعر:**

درج ذیل اشعار کو غور سے پڑھیں اور دیے گئے سوالات میں سے پانچ کے جوابات لکھیے: **(5 x 2 = 10)**

i.	ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ	پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ
ii.	بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ	قسمت میں قید لکھی تھی فصل بہار میں
iii.	ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ	ہر دل پہ چھا رہا ہے، رعبِ جلال تیرا
iv.	کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ	شرم تم کو مگر نہیں آتی
v.	فلسفہ و شعر کی، اور حقیقت ہے کیا	حرفِ تمنا، جسے کہہ نہ سکیں روبرو

سوالات:

i. **ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھنا کیوں ضروری ہے؟**

جواب: ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ قوم کے ساتھ اتفاق واتحاد سے ہی آپ ترقی اور خوشحالی کی امید رکھ سکتے ہیں۔ جس طرح ایک شاخ اگر درخت کے ساتھ جُڑی ہو تو ہی اسے بہار کی امید ہوتی ہے۔

ii. **عارفوں کو حیرت اور منکروں پر سکتہ طاری ہونے کی وجوہات بیان کریں۔**

جواب: عارفوں کو حیرت اور منکروں پر سکتہ طاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کا رعبِ جلال ہر وقت طاری رہتا ہے۔

iii. **شاعر نے فلسفہ و شعر کی کیا حقیقت بیان کی ہے؟**

جواب: شاعر نے فلسفہ اور شعر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ایک ایسی خواہش ہے جسے محبوب کے سامنے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی فلسفہ اور شعر ایک ایسی حقیقت ہے جسے کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

iv. **مرزا غالبؔ کو کعبہ جاتے ہوئے شرم کیوں آرہی ہے؟**

جواب: مرزا غالبؔ کو کعبہ جاتے ہوئے شرم اس لیے آرہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک گنہگار انسان سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس نے اپنی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق بسر نہیں کی۔

v. **شاعر کے مطابق بلبل کو باغباں اور صیاد سے گلہ کیوں نہیں ہے؟**

جواب: شاعر کے مطابق بلبل کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ اسے بہار کے موسم میں ہی قید کردیا جائے اس لیے اسے نہ تو باغ کے رکھوالے سے کوئی گلہ ہے اور نہ قید کرنے والے سے۔ (یہاں بلبل بہادر شاہ ظفر صیّاد انگریز اور باغباں ہندوستانی رعایا یا فوج ہے)

vi. **شجر کے ساتھ پیوستہ رہنے کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟**

جواب: اس کا یہ فائدہ ہے کہ اگر ڈالی یعنی شاخ درخت کے ساتھ جُڑی رہے تو موسم بہار کے آنے پر وہ دوبارہ ہری ہوجاتی ہے۔ یعنی امید کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

(ج) **حصہ قواعد:**

مندرجہ ذیل میں سے چار کے جوابات تحریر کریں: **(4 x 2 = 8)**

i. **استعارہ اور تشبیہ میں فرق بتائیں۔**

جواب: علم بیان کی اصطلاح میں جب ہم کسی چیز کے معنی مستعار یعنی ادھار لے کر دوسری چیز کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اسے استعارا کہتے ہیں۔ مثلاً ماں نے کہا "چاند سو رہا ہے"۔

اسی طرح جب ہم کسی خوبی کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دیتے ہیں تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

مثلاً ماں نے کہا میرا بیٹا شیر جیسا بہادر ہے۔

استعارا مجازی معنوں میں جب کہ تشبیہ کو حقیقی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ استعارا کے تین ارکان ہوتے ہیں جب کہ تشبیہ کے پانچ ارکان ہوتے ہیں۔

ii. **نعت کس طرح حمد سے مختلف ہوتی ہے؟**

جواب: نعت وہ نظم ہے جس میں شاعر حضرت محمدؐ سے محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے آپؐ کی تعریف بیان کرتا ہے۔ جبکہ حمد وہ نظم ہے جس میں شاعر اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی بیان کرتے ہوئے اس کی نعمتوں اور عنایات کا ذکر کرتا ہے۔

iii. **مطلع کی تعریف لکھیں اور ایک مثال دیں۔**

جواب: غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ یا ہم قافیہ ہم ردیف ہوتے ہیں۔

مثال: کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے — دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے

iv. **مرکب تام اور مرکب ناقص میں فرق بتائیے۔**

جواب: **مرکب تام:** الفاظ کا ایسا مجموعہ جو با معنی ہو اور سننے والے کو اس کا مطلب سمجھ میں آجائے۔

مثلاً علی کا بھائی سچا ہے، احمد اچھا لڑکا ہے۔

مرکب ناقص: الفاظ کا ایسا مجموعہ جو مکمل معنی نہ دے مرکب ناقص کہلاتا ہے۔

مثلاً علی کا بھائی، اچھا لڑکا

v. **غزل کس اعتبار سے نظم سے مختلف ہوتی ہے؟**

جواب: غزل اور نظم میں فرق یہ ہے کہ غزل کا ہر شعر معنی اور خیال کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے اور دوسرے شعر سے مختلف ہوتا ہے۔ جبکہ نظم کے تمام اشعار آپس میں مربوط ہوتے ہیں اور ایک ہی موضوع پر مشتمل ہوتے ہیں۔

حصہ سوّم (کل نمبر 26)

سوال نمبر 3: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک عبارت کی تشریح کریں: (5)

الف۔ جس طرح ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں: مثبت اور منفی۔ اِسی طرح سوشل میڈیا کا دوسرا رُخ بھی نہایت تاریک اور بھیانک ہے۔ سوشل میڈیا نے جہاں باہمی انسانی رابطوں کو سہل اور وسیع بنایا ہے وہیں محبت، اخلاص، رواداری، رکھ رکھاؤ پر منفی اثرات مرتب کرنے کا باعث بھی بنا ہے۔ شومیِ قسمت کہ ہم نے معلومات اور پیغامات کے اِس سیلاب میں خود کو اُلجھانے ہی میں اپنی بقا تصور کر لی ہے۔ ہماری علمی، تعلیمی، دینی، مذہبی، اخلاقی اقدار و روایات کا جنازہ نکلتا چلا جا رہا ہے۔

جواب: تشریح:

تشریح طلب پیراگراف میں مصنف کہتا ہے کہ کمپیوٹر اس صدی کی سب سے حیرت انگیز ایجاد ہے۔ اس ایجاد کی بدولت انسانی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا ہے۔ ہر نوعیت کے چھوٹے بڑے دفتروں میں صنعت میں، زراعت میں، کاروبار میں، ذرائع ابلاغ میں، خلا، فضا، زمین اور سمندر کی سواریوں میں غرض زندگی کا کون سا شعبہ ہے جہاں کمپیوٹر کی کارکردگی کار فرما نہیں۔ یہ ایک ایسا آلہ ہے جو معلومات کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیتا ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔

کمپیوٹر نے انسان کو اس قدر حیرت میں ڈال دیا ہے کہ لوگ اس کو جادوئی مشین کہتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ کمپیوٹر انسانی ذہن کی مانند ہے لیکن یہ ایک ایسا ذہن ہے جس کا حافظہ مضبوط ہے۔ کمپیوٹر کی وجہ سے وہ کام جو ماضی میں خواب معلوم ہوتے تھے آج کا انسان اسے بہت آسانی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ چاہے تحقیقی کام ہو یا حساب کتاب کا، انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر کے حالات سے آگاہی کا ہو یا ٹی وی اور ویڈیو گیمز کا اس چھوٹی سی مشین میں تمام دنیا چھپی ہوئی ہے۔

موجودہ تیز رفتار دور میں ہر مسئلے یا مشکل کا فوری طور پر حل ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ بعض کاموں میں مشکل حساب کتاب کرتا ہوتا ہے۔ کمپیوٹر نہایت تیز رفتاری سے کام کرتا ہے۔ وہ ہر مسئلے کا فوری حل نکالتا ہے اور غلطیوں سے پاک ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں اس کا استعمال مختلف میدانوں میں کیا جا رہا ہے۔ مثلاً سائنس، تعلیمات، ریسرچ، دفاتر وغیرہ اس کے متعلق ہمارے اردو کے کلاسیکل شاعر مرزا اسد اللہ خان غالبؔ اور علامہ اقبال نے برسوں پہلے ہی تصویر کشی کر دی تھی۔ بقول شاعر:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک | اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں | محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید | کہ آرہی ہے دمبدم صدائے کن فیکون

ب۔ نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہؓ مدینے پہنچ چکے تو وحیِ الٰہی کے مطابق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مدینے کا عزم فرمایا۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینے میں جاکر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔

جواب: تشریح:

اس پیراگراف میں مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جب مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو یہ نبوت کا تیرھواں سال تھا۔ یعنی حضورؐ کو نبوت کا اعلان کیے ہوئے تیرہ برس گزر چکے تھے۔ جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے وہ کافی عرصہ سے قریش کے ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے تھے۔ قریش کے ظلم سے تنگ آئے ہوئے ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ جب اکثر صحابہ مدینہ ہجرت کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپؐ کو بھی مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا پیغام پہنچایا۔ اس دوران جو مسلمان مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد سے مدینہ میں اسلام کو تقویت بخشی اور لوگ جوک در جوک مسلمان ہونے لگے۔ جب قریش نے دیکھا کہ مدینہ میں توحید کا عَلَم بلند ہو رہا ہے۔ لوگ بتوں کی پوجا چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کی طرف تیزی سے مائل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے خاتمہ کے لیے مختلف تجاویز پیش کیں۔ ایک نے اپنا قبیح ارادہ یہ بیان کیا کہ محمدؐ کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا جائے۔ دوسرے نے مشورہ دیا کہ ان کو وطن سے زبردستی باہر نکال دیا جائے۔ ابو جہل جو کہ اسلام کا سخت دشمن تھا نے آخری تجویز دی کہ قریش کے ہر قبیلے سے ایک ایک شخص کو منتخب کر کے سب مل کر (خدانخواستہ) محمدؐ کو جان سے مار دیا جائے۔ اس طریقے سے کسی ایک قبیلے کے سے خون نہیں جائے گا۔ بلکہ تمام قبائل اس قتل کے ذمہ دار بن جائیں گے اور آلِ ہاشم کے لیے ان تمام قبائل کا سامنا کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔ اس ناپاک ارادے کو عملی شکل دینے کے لیے ابو جہل کی اس تجویز پر سب نے اتفاق کر لیا اور آخر کار انہوں نے حضورؐ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔

سوال نمبر4: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظمیہ جزو کی آسان لفظوں میں تشریح کریں: (5)

الف۔ مجھے دربدر یہ پھرائے گا، نہ کبھی یہ راہ پر آئے گا | مجھے پیس ڈالے گا آسماں، نہ کہوں جو تم سے تو کیا کروں
نہ زمیں سنے نہ فلک سُنے، نہ بشر سنے نہ مَلک سُنے | نہیں سنتا کوئی مِری فغاں، نہ کہوں جو تم سے تو کیا کروں

جواب: تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنی بے بسی، مجبوری، لاچاری اور تکالیف کی داستان بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے نبیؐ مجھے آسمان پیس ڈالے گا۔ مجھے دربدر پھرائے گا اور مجھے کبھی منزل نہیں مل سکتی ایسے مشکل حالات میں آپؐ سے نہ کہوں، آپؐ کے آگے فریاد نہ کروں تو اور کس سے کروں گا۔ گویا شاعر کو رسول پاکؐ اور آپؐ کی ذات مبارکہ سے جو امیدیں وابستہ ہیں اس وجہ سے وہ کھل کر اپنا حال ان کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہے۔

اب یہاں پر شاعر نے "آسماں" کا لفظ استعمال کیا ہے کہ آسماں پیس ڈالے گا یہ دربدر پھرائے گا پرانے زمانے میں لوگ گردش زمانہ کا سبب آسمان کو سمجھتے تھے اور خاص طور پر انسان اپنی بری قسمت اور بری تقدیر کی ذمہ داری آسمان پر ڈال دیتے تھے کہ آسمان حسد کرتا ہے اس لیے وہ کوئی نہ کوئی ایسی چال چلتا ہے کہ جس سے ہمیں نقصان پہنچتا ہے۔ اس شعر میں شاعر بھی اس تصور کے پیشِ نظر آسمان کو اپنے دربدر ہونے کا ذمہ دار قرار دے رہا ہے۔ اس لیے آپؐ کے در کے علاوہ اسے کوئی در دکھائی نہیں دے رہا اور یہ بات درست بھی ہے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یہ اللہ پاک کی خاص رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم دل ہیں۔"

بقول شاعر:

دل درد مند کی داستاں نہ کہوں جو تم سے تو کیا کروں | تمہی غم زدوں کے ہو قدر دان نہ کہوں جو تم سے تو کیا کروں

یہاں جو بات وضاحت طلب ہے وہ یہ ہے کہ "آسماں" کا لفظ قدیمی تصور کے ساتھ ساتھ زمانے دنیا وقت، اور لوگوں کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ شاعر کو اس بات کا خوف ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا ہمدرد نہیں۔ زمانہ اس کے حق میں نہیں ہے لہٰذا ان حالات میں آنحضورؐ سرور کائنات سے مدد طلب کرتا ہے کہ زمانہ مجھے دربدر پھرائے گا وہ مجھے پیس ڈالے گا۔ میں پریشان ہوں زمانے کی مصیبتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ ان پریشانیوں کی وجہ سے میں اپنی راہ سے بھٹک گیا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ یہ راستہ میرے لیے باعثِ برکت نہیں ہے اس لیے میں سیدھے راستے پر چلنا چاہتا ہوں تاکہ میری دنیا و آخرت سنور سکے۔ اے نبیؐ آپ شفیق ہیں۔ آپؐ بہترین راہنما ہیں میری مدد فرمایئے اور شاعر کی یہ درخواست بے جا نہیں کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آپؐ دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے حبیب ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

دونوں جہاں کی سعادتیں حاصل کرنے کا ذریعہ آپؐ ہیں جو آپؐ پر یقین کامل رکھے گا وہ دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہو گا۔

شاعر اپنے پیارے نبیؐ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ میں اپنا حال دل کس کو سناؤں تاکہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے مجھے کوئی دنیا میں اپنا ساتھ ہمدرد، غمگسار نظر نہیں آتا۔ میری فریاد کو کوئی سننے کو تیار نہیں۔ شاعر نے زمین، فلک اور بشر کے الفاظ استعمال کیے ہیں یعنی پوری دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا رشتہ یا فرد نہیں ہے جو میرے دکھی دل پر مرہم رکھ سکے جو میرے دل کی فریاد سن سکے۔ اس لیے شاعر کو صرف اپنے پیارے نبیؐ کا ہی در دکھائی دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ آپؐ دکھی دلوں کی فریاد سننے والے ہیں حاجت مند کی حاجت روائی کرنے والے ہیں۔ آپؐ بے کسوں کے رفیق ہیں آپؐ کے در پر آنے والا کوئی سوالی خالی جھولی واپس نہیں جاتا اس لیے شاعر فریاد کرتا ہے کہ آپؐ کے سوا میرا کوئی غمگسار نہیں اس لیے میں آپؐ کے سوا اپنے دکھ کس کو سناؤں۔ آپؐ دکھی دلوں کی فریاد سننے والے ہیں۔ اس بارے میں تو خداوند کریم نے فرمایا ہے:

"تم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے وہ تمہاری بھلائی اور اچھائی کا خواہاں ہے اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔"

بقول شاعر:

دستگیری میری تنہائی میں تو نے ہی تو کی　　　میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم　　　مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

گویا رسولؐ کی ہستی سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔ یتیموں، مسکینوں کی دستگیری کرنا، غلاموں کی مدد کرنا، ان کا ایک دو دن کا معمول نہیں تھا بلکہ زندگی کا لازمی جزو تھا۔ آنحضورؐ کے قلب اطہر میں پیدا کردہ اسی شفقت و رحمت کا اثر تھا کہ صرف نیک اور پرہیزگار لوگ ہی آپؐ کے پیش نظر نہ تھے بلکہ گناہگاروں پر بھی نظر کرم تھی تاکہ وہ رحمت و مغفرت سے محروم نہ رہیں تو پھر جب ایسی شفیق ہستی ہو جو اپنوں، غیروں کے لیے یکساں دل میں جذبہ ہمدردی و شفقت رکھے تو شاعر جیسا گناہگار کیوں نہ اس در کا سوالی بنے۔ اس لیے وہ آپؐ کو ہر دکھ اور ہر پریشانی میں پکارتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپؐ جیسا مہربان اور قدردان دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔ آپؐ رحم دل، مہربان اور شفیق ہیں آپؐ ہر دردمند کی آہ و پکار سننے والے ہیں۔

بقول شاعر:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے　　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والے

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والے　　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے

ب۔ ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ　　　ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے

ہے لازوال عہدِ خزاں اُس کے واسطے　　　کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ و بہار سے

جواب: تشریح:

شاعر نے قانونِ فطرت کا سہارا لیتے ہوئے امتِ مسلمہ بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کو ایک پیغام دیا ہے۔ فطرت کا قانون ہے کہ خزاں کا موسم آتے ہی درختوں سے پھل ختم اور پتے جھڑ جاتے ہیں اور ٹہنیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ اسی دوران اگر کوئی ٹہنی درخت سے ٹوٹ کر الگ ہو جاتی ہے تو وہ پھر کبھی بھی سرسبز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے خزاں کا موسم، ہمیشہ رہتا ہے۔ پھل، پھول اور پتوں سے اس کو کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

بقول شاعر:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　　موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

درحقیقت شاعر یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ مسلمان بھی اللہ کی رحمت سے اس وقت تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب تک وہ امت مسلمہ کے ساتھ جڑے رہیں گے۔ آپؐ کا فرمان ہے:

"تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر جسم کا ایک عضو درد میں مبتلا ہو تو پورا جسم اس درد کو محسوس کرتا ہے۔"

شاعر یہی پیغام دے رہے ہیں کہ ہمیں اپنی ملت اور اپنی امت کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط تر کرنے ہوں گے اور تمام عالمِ اسلام کو ناقابل تسخیر بنانا ہو گا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب امت کے تمام افراد شجرِ اسلام کے ساتھ منسلک ہو جائیں۔ وہ کہتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے　　　نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

دوسرے شعر میں شاعر نے درخت سے کٹی ہوئی شاخ کی حقیقت بیان کی ہے کہ وہ ٹہنی جو خزاں کے موسم میں اپنے درخت سے جدا ہو گئی ہو اس پر کبھی ہریالی نہیں آ سکتی۔ شاعر نے بہت گہری بات کی ہے۔ جو شخص اپنے مرکز سے تعلق توڑ لیتا ہے وہ اپنی انفرادی زندگی میں زیادہ عرصہ تک زندہ

نہیں رہ سکتا۔ اس کی حیثیت اس کا تشخص ختم ہو جاتا ہے۔ ترقی کرنے کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں دراصل انسان کی ساری ترقی مل جل کر رہنے میں ہے۔

بقول شاعر:

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤ گے　　خاک ہو جاؤ گے، افسانوں میں ڈھل جاؤ گے
اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو　　سنگِ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

اسلام دینِ فطرت ہے اور اسلام ہی اجتماعیت پر زور دیتا ہے۔ شجر یہاں پر استعارہ ہے اُمتِ مسلمہ کا، اتحاد کا۔ شاعر کہتے ہیں کہ اگر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا چاہتے ہو تو آپس میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرو۔ ملت اسلامیہ سے پیوستہ رہ کر ہی مسلم نوجوان کامیاب ہو سکتا ہے جب کہ اپنی ملت اور قوم سے جدائی صرف اور صرف ناکامی کا سبب بنتی ہے۔

بقول شاعر:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں　　جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

سوال نمبر5:　درج ذیل کسی ایک غزلیہ جزو کی تشریح کریں:　(5)

الف۔　ہستی اپنی حباب کی سی ہے　　یہ نمائش سراب کی سی ہے
چشم دل کھول اُس بھی عالم پر　　یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

جواب: تشریح:

شعر1:　پہلے شعر میں شاعر نے زندگی کی حقیقت واضح کی ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ ہماری زندگی کی مثال پانی کے بلبلے کی مانند ہے۔ جس طرح پانی کا ایک بلبلہ انتہائی مختصر سی مدت کے لیے وجود میں آتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح ہماری زندگی بھی بہت ہی مختصر ہے اور ایک یہ ایک دن یہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔

بقول شاعر:

زندگی انسان کی مانند ہے مرغِ خوش نوا　　شاخ پر بیٹھا کوئی دم، چہچہایا اڑ گیا

شاعر نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ یہ دنیا محض ایک دھوکا ہے۔ انسان جب مرنے کے بعد قبر میں جائے گا تو اسے اس حقیقت کا علم ہو گا کہ اصل اور دائمی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اس مختصر زندگی کے دھوکے میں نہ پڑے بلکہ اس میں رہتے ہوئے آخرت کی دائمی اور مستقل زندگی کی تیاری کرے۔

بقول شاعر:

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا　　خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

شعر2:　شاعر نے دوسرے شعر میں دنیا کی بے ثباتی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی عارضی اور ختم ہو جانے والی ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شاعر نے دنیاوی زندگی کو ایک خواب جیسی کیفیت کا نام دیا ہے اور انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر آخرت کی فکر کرنے کا درس دیا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتے ہیں کہ ظاہری آنکھ سے تو آخرت اور آخرت کی زندگی کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اپنے دل کی آنکھ سے کام لے اور اس اگلے جہان کی زندگی کو دیکھ۔ ایک دن تجھے وہاں جانا اور ہمیشہ اسی زندگی کو اپنانا ہے۔ اس لیے عارضی اور مختصر زندگی میں دل مت لگا بلکہ اگلی مستقل اور پائیدار زندگی کی فکر اور تیاری کرو۔

بقول شاعر:

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا　　خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ جلد از جلد باشعور ہونے کا ثبوت دے۔ کیونکہ دنیا کی ہر شے فانی ہے کسی شے کو بقا نہیں۔ انسان جب اس دنیا میں آیا ہے تو اس نے موت کا ذائقہ ہر صورت میں چکھنا ہے۔ انسان خالی ہاتھ آیا ہے اور خالی ہاتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہو گا۔ انسان پر یہ حقیقت جتنی جلد آشکار ہو جائے اُتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

ب۔　موت کا ایک دن معین ہے　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں　　ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

جواب: تشریح:

شعر 1: اس شعر کی تشریح دو پہلوؤں سے کی جا سکتی ہے اور دونوں پہلوؤں سے لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ شاعر کہتا ہے کہ موت کا ایک دن معین ہے موت نہ تو اس سے پہلے آ سکتی ہے اور نہ ہی ٹل سکتی ہے تو پھر ہمیں اس کے خوف سے نیند کیوں نہیں آتی۔ انسان کو جب پتہ ہے کہ اس کی موت کا وقت مقرر ہے اور اس مقررہ وقت پر وہ زندگی سے محروم کر دیا جائے گا تو پھر خوف کیسا یعنی موت ایسی اٹل حقیقت ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی تو پھر انسان زندگی سے اتنا پیار کیوں کرتا ہے کہ وہ موت سے خوف کھانے لگتے ہیں گویا شاعر نے انتہائی خوبصورتی سے انسانی فطرت کی کمزوری کو بیان کیا ہے کہ انسان موت و زندگی کے فلسفے کو سمجھنے کے باوجود بھی اور اس کی حقیقت سے آگاہی کے باوجود بھی زندگی سے اس قدر پیار کرتا ہے اور دنیاداری میں اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ موت کا سوچ کر ہی اس کی نیند غائب ہو جاتی ہے۔

بقول شاعر:

نظر آتی ہی نہیں صورت حال کوئی اب یہی صورت حالات نظر آئی ہے

دوسرے پہلو سے دیکھیں تو شعر کا مفہوم یکسر بدل جاتا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے نہ اس سے پہلے آ سکتی ہے نہ اس کے بعد اور نہ ہی یہ کوئی ٹلنے والی چیز ہے لیکن اس نیند کو کیا ہو گیا ہے کیوں کہ نیند کا تو کوئی وقت معین نہیں ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انسان کو نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے یہ ایک ایسی فطری ضرورت ہے جو نہ گرمی دیکھتا ہے نہ سردی نہ آرام دہ بستر اور نہ ہی سخت جگہ بلکہ جب انسان پر نیند کا غلبہ طاری ہوتا ہے تو انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ شاعر اسی بات پر شکوہ کناں بھی ہے اور حیران بھی کہ ہماری نیند کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کا تو کوئی وقت معین نہیں لیکن پھر بھی ہم ساری ساری رات اس کے آنے کے منتظر رہتے ہیں اور دونوں کیفیتیں شاعر کے لیے تکلیف کا باعث ہیں۔

شعر 2: دوسرے شعر میں شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر میں تمہارے سامنے خاموش ہوں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہمیں بولنا نہیں آتا یا ہم اپنا مدعا بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے سامنے زیادہ تر خاموش دو وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے ایک تو محبوب کے حسن کے جلوؤں کا اس کے دل پر اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ وہ ساکت و جامد جلوۂ محبوب میں گم ہو جاتا ہے۔

بقول شاعر:

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

عاشق جو پہلے ہی محبوب کے دیدار کے لیے تڑپ رہا ہوتا ہے اس کے دیدار میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنا حال سنانے کا بھی ہوش نہیں رہتا۔

دل و دیں ہوش و صبر سب ہی گئے آگے آگے تمہارے آنے سے

اور دوسری وجہ مصلحتاً خاموش رہتا ہے کہ کہیں محبوب کی رسوائی نہ ہو یا اس کے راز افشاں نہ ہو جائیں اور اس عمل سے محبوب ناراض نہ ہو جائے۔ اور کہیں ہمارے دل کی تحریر پر اپنا نام لکھا دیکھ کر اس کے مزاج نازک پر گراں نہ گزرے خاموشی کے پردے میں ہم اپنے عاشق کی معراج چاہتے ہیں۔

بقول شاعر:

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ سب فن میں ہوں طاق کیا مجھے نہیں آتا

گویا شاعر مصلحت کے تحت خاموش ہے کیونکہ ہر بات کا اظہار کر دینا عقلمندی نہیں ہوتی منزل عشق کا حصول ہی وہ مصلحت ہے جس کی خاطر چپ چاپ ہے۔

سوال نمبر 6: ایک تفریحی سفر کی روداد تحریر کریں۔ (6)

جواب:

انسان جب زندگی کے سفر میں مختلف قسم کی مصروفیات میں الجھ کر تھک جاتا ہے تو پھر اس کے دل میں کسی تفریحی مقام کی سیر کرنے کی آرزو مچلنے لگتی ہے جہاں کچھ دنوں کے لیے سکون کی سانس لے سکے۔ ہمارے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا کہ روز روز کی مصروفیات سے تنگ آئے تو کسی تفریحی مقام پر جا کر سکون کا سانس لینے کا سوچا، ابھی پروگرام بنانے کا سوچ رہے تھے کہ اتنے میں ہمارے مہربان دوست کا فون آیا، کہنے لگے کیا خیال ہے، وادی کاغان اور دیگر شمالی علاقہ جات کی سیر نہ کی جائے؟ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ ہم نے فوراً ہاں کر دی اور یوں کاغان، ناران، گلگت اور ہنزہ جانے کا پروگرام بنا لیا۔

اگلے دن ہم پشاور سے براستہ ایبٹ آباد ناران کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں دوستوں کے درمیان نوک جھونک اور مزاحیہ گفتگو ہوتی رہی۔ وادیٔ کاغان کے قدرتی حسن نے ہمیں کچھ ایسا مسحور کر دیا کہ آٹھ نو گھنٹے کے سفر کی تھکان بھول گئے۔ کچھ دیر وہاں قیام کیا اور پھر ہم ناران پہنچ گئے۔ وہاں ایسے محسوس ہوا جیسے

سارا پاکستان اُمڈ آیا ہو، کافی رش تھا، ہم نے ناران کے ایک پر سکون ہوٹل میں پڑاؤ ڈالا، کھانا کھایا تو راستے کی تھکاوٹ نے سر اٹھایا اور ہمیں جلد سونے پر اکسایا، اگلے دن صبح نو بجے ہم گلگت روانہ ہو گئے۔ دریائے کنہار کے کنارے بل کھاتی ہوئی سڑک پر 70 کلومیٹر سفر کے بعد ہم بابو سر ٹاپ پہنچے جہاں برف پوش پہاڑی چوٹیوں نے ہمارا استقبال کیا۔

اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم جنت ارضی کے کسی اونچے مقام پر کھڑے قدرتی حسن کا نظارہ کر رہے ہیں۔ وہاں تھوڑی دیر سستانے کے بعد پھر عازمِ سفر ہوئے۔ اب ہمارے سامنے 23 کلومیٹر اترائی اور خطرناک موڑ تھے۔ سر بفلک پہاڑوں کے درمیان تیزی کے ساتھ رواں دواں دریا کے کنارے چھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم گلگت پہنچ گئے۔ سفر کرتے ہوئے ہم پاک فوج کے ان نوجوانوں کو خراجِ تحسین بھی پیش کر رہے تھے جنہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر یہ سڑک تعمیر کی ہے۔ گلگت پہنچے تو ہوٹل میں قیام کیا، ہوٹل کا ماحول نہایت پر سکون اور آرام دہ تھا۔

اگلے دن ہم ہنزہ کی طرف روانہ ہوئے، ہنزہ وادی برف پوش پہاڑوں کے درمیان سادہ دل لوگوں کا مسکن ہے جس کا قدرتی حسن اپنی مثال آپ ہے۔ راستے میں برف سے ڈھکی لدی بہت اونچی پہاڑی "راکاپوشی" ہماری توجہ اپنی طرف کھینچتی رہی۔ ہنزہ پہنچنے پر ہم نے ایک بہت اونچے مقام پر ایک ہوٹل میں قیام کیا جہاں سے دل موہ لینے والی وادی ہنزہ کی خوبصورتی اور برف پوش چوٹیوں کا نظارہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

اگلے دن واپسی پر ہم نے ایک رات پھر ناران میں قیام کیا، جھیل سیف الملوک دیکھنے گئے جو کسی زمانے میں خوبصورت پریوں کی آماجگاہ تھی اور آج کل روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ اسے دیکھنے جاتے ہیں۔ یہ سفر نہ صرف سفر بلکہ باعث تفریح تھا اور بہت معلوماتی اور انسان کی بلندی کا نشان بھی تھا۔

سوال نمبر 7: گاہک اور دکاندار کے درمیان مہنگائی کے موضوع پر مکالمہ لکھیں۔ (رسمی کلمات کے علاوہ دیے گئے موضوع پر کم از کم پانچ مکالمے لکھیں)۔ (5)

جواب:

(گاہک دکان میں داخل ہوتا ہے)

گاہک: السلام علیکم!

دکان دار: وعلیکم السلام! کیا حال ہے؟ بڑے پریشان دکھائی دے رہے ہو۔

گاہک: کچھ چیزیں خریدنا تھیں، بازار میں ہر چیز کا بھاؤ سن کر پریشان ہو گیا ہوں۔

دکان دار: کیوں بھائی ایسے کون سے بھاؤ سن آئے ہو جن کی وجہ سے پریشان ہو۔

گاہک: ہر چیز کا بھاؤ سن کر یہی محسوس ہوا کہ جیسے ہر چیز ہماری پہنچ سے دور ہے۔ ایسی کئی چیزیں خریدنا تو دور ضرورت کی چیزیں خریدنا بھی انتہائی محال ہو گیا۔

دکان دار: مہنگائی تو واقعی بہت ہے مگر اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

گاہک: جب تک بڑے لوگ چھوٹوں کا خیال نہیں کریں گے اور امیر غریب کا خیال نہیں کریں گے تب تک مہنگائی کے مزاج میں تبدیلی نہیں آئے گی۔

دکان دار: غالباً آپ کا اشارہ ذخیرہ اندوزوں اور زیادہ خریداری کرنے والے لوگوں پر ہے۔

گاہک: بالکل بڑے تاجر ذخیرہ اندوزی نہ کریں اور دوسری طرف امیر لوگ ہر چیز اپنی ضرورت کے مطابق خریدیں تو مہنگائی کے مزاج ہمیشہ درست رہیں گے۔

دکان دار: ان ساری باتوں کے ساتھ ہمارے دکاندار بھائیوں کو بھی منافع جائز حد تک لینا چاہیے۔

گاہک: اگر دکاندار اور تاجر حضرات راتوں رات امیر بننے کے چکر میں نہ پڑیں تو مہنگائی والا معاملہ کافی حد تک عام آدمی کی پہنچ میں آسکتا ہے۔

دکان دار: یہ کام تھوڑا مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔

گاہک: مہنگائی کو زیادہ کرنے میں ہماری اپنی کوتاہیوں کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔

دکان دار: وہ کون سی کوتاہیاں ہیں؟

گاہک: ہم نے سادہ زندگی کو خیرباد کہہ دیا۔ اور پر تکلف دعوتوں کا اہتمام شروع کر دیا ہے۔ یہ سب مصنوعی زندگی کے چونچلے ہیں جو مہنگائی کا سبب بنتا ہے۔

دکان دار: یہاں میرے ذہن میں کچھ چیزیں آرہی ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ چائے ہمارا اہم ترین مشروب ہے۔ میک اپ کے سامان کی درآمد پر کروڑوں کا خرچہ کرنا ہمارا معمول بن گیا ہے۔ حکومت اس پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتی۔ مہنگائی کی یہ بنیادی وجوہ خود ہماری خود اپنی پیدا کردہ ہیں۔

گاہک: جہالت اور مہنگائی لازم وملزوم ہیں۔

دکان دار: اس کے لیے معاشرے کے ہر فرد کو اپنے اپنے حصے کی کوشش کرنا ہوگی۔

گاہک: اس ضمن میں ہماری حکومت کو بھی کچھ سخت اقدامات کرنا ہوں گے۔

دکان دار: اس سلسلے میں معاشرے کے ہر فرد کے اندر مہنگائی کم کرنے کے سلسلے میں آگاہی پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

گاہک: اچھا مجھے اجازت دیں، میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ!

(گاہک، دکان سے رخصت ہو جاتا ہے)

* * * * *